R. No. 2186/57 — Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12 P

جلد ۲۵ . شمارہ ۴۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم دسمبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

بھارتی بھاشا سمیتی

۲۶ نومبر کو بھارتی بھاشا سمیتی کا پہلا جلسہ ہوا۔ یہ سمیتی حال ہی میں بنی ہے۔ مرکزی وزارت تعلیم، اب تک جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی کے لیے اپنے طور پر کچھ قدم اٹھاتی رہی تھی، مگر عام طور پر یہ محسوس کیا گیا تھا کہ حکومت کو اس سے بہت زیادہ سرگرمی دکھانی چاہیے۔ چنانچہ وزارت تعلیم کو مشورہ دینے کے لیے یہ سمیتی وجود میں آئی ہے۔ اس میں کچھ لوک سبھا اور راج سبھا کے ممبروں کے علاوہ ہر جدید زبان کا ایک نمائندہ اور ہر ریاست کا ایک نمائندہ شامل ہے اور کچھ لوگ اپنی لسانی اور علمی خدمات کی وجہ سے لیے گئے ہیں۔

جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے مسٹر چھاگلا نے پتے کی باتیں کہیں۔ جناب فخرالدین احمد کی علالت کی وجہ سے ان سے سمیتی کی پہلی نشست کے افتتاح کی درخواست کی گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ زبان اوّل تو ترسیل کا ایک آلہ ہے دوسرے اس میں اس کے بولنے والوں کی تہذیب کا خزانہ ہے اور زبان کی یہ دونوں حیثیتیں اہم ہیں۔ انھوں نے ہندی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہندی جس کا تصور دستور میں ہے، وہ کسی علاقے میں نہیں بولی جاتی۔ یہ ہندی دراصل ایک ملی جلی ہندی ہوگی۔ اسے ہندوستانی ہندی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس ہندی کی تشکیل میں تمام علاقائی یا قومی زبانیں مدد دیں گی۔ اس ہندی میں تمام علاقائی زبانوں کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے سب کو ملانے کی صلاحیت ہوگی۔ اس لیے ہندی کی اسی طرح ترقی ہو سکتی ہے کہ علاقائی یا قومی زبانوں کو ترقی کرنے کا موقع ملے۔ انھوں نے روس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ روس میں تمام علاقائی زبانوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس لیے ان علاقائی زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کے لیے روسی زبان کو بھی لازمی طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ یہی طریقہ ہمیں اختیار کرنا چاہیے۔ آج انگریزی اعلیٰ تعلیم کا وسیلہ ہے۔ بالآخر ہمیں علاقائی یا قومی زبانوں کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنانا پڑے گا۔ اس کے لیے ترجمے کافی نہ ہوں گے۔ ان زبانوں میں بڑے پیمانے پر کتابیں لکھوانی ہوں گی۔ ہندی کو جب غیر ہندی علاقے قبول کر لیں گے تبھی وہ سب کے لیے ایک کڑی (LINK LANGUAGE) کا کام دے سکے گی۔ اس لیے تمام علاقائی یا قومی یا جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی کا مسئلہ ان زبانوں کی خاطر نہیں، بلکہ خود ہندی کی ترقی کی خاطر اہم ہو جاتا ہے۔ مسٹر چھاگلا نے بتایا کہ دوسرے اور تیسرے منصوبے میں ان زبانوں کی ترقی کے لیے جو رقم خرچ ہوئی تھی اس کے مقابلے میں چوتھے منصوبے میں بہت بڑا اضافہ کیا گیا ہے اور سمیتی کے مشورے سے حکومت کی یہ کوشش ہوگی کہ یہ رقم صحیح طور پر صرف ہو اور اس کا مقصد پورا ہو سکے۔

مسٹر چھاگلا کی تقریر کے بعد سمیتی کی کارروائی شروع ہوئی۔ ممبروں نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ آزادی کے بعد سے جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی اور ان کے مسائل کے متعلق ایک رپورٹ جلد سے جلد پیش کی جائے۔ سوالوں کے جواب میں وزارت تعلیم کے نمائندوں نے اب تک کے خرچ کی جو تفصیل پیش کی وہ خاصی بصیرت افروز ہے۔

	ہندی پر خرچ	سنسکرت پر خرچ	جدید ہندستانی زبانوں پر خرچ
دوسرے منصوبے کے دوران	۱۰۴ لاکھ	۳۳ لاکھ	۲۱ لاکھ
تیسرے منصوبے کے دوران	۴۱۶ "	۱۱۳ "	۹۱ "
چوتھے منصوبے کا مجوزہ خرچ	۹۲۵ "	۲۳۰ "	۵۴۵ "

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے اور تیسرے منصوبے کے دوران جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی پر خاطرخواہ توجہ نہ ہو سکی۔ ہاں اب چوتھے منصوبے میں اس کے لیے خاصا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ امید بندھتی ہے کہ جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی کی رفتار بھی اس نسبت سے تیز ہوگی۔

اب تک جو خرچ ہوا تھا وہ زیادہ تر ریاستی حکومتوں اور کچھ غیر سرکاری اداروں کو امداد کے ذریعے سے ہوا تھا۔ یہ امداد حوالے کی کتابوں، لغات ترجموں اور سائنس اور عام فہم ادب کی کتابوں کی تیاری پر صرف ہوئی تھی۔ اب چوتھے منصوبے کے اندر ہر زبان کے لیے ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا ارادہ ہے جس کے لیے ڈھائی کروڑ کی رقم رکھی گئی ہے۔ ان اداروں میں اس زبان میں ریسرچ کے علاوہ، سائنسی اصطلاحات کی تیاری، یونی ورسٹی کی تعلیم کے لیے معیاری کتابوں کی تیاری، بنیادی لغات کی تیاری، دو زبانی اور سہ زبانی ماہروں کی تربیت، سائنسی اور فنی سرمائے کی ترقی اور مجموعی طور پر اس زبان کی ترقی کے لیے تمام ضروری تدابیر اختیار کی

جائیں گی۔ اس کے علاوہ ہندی کے لیے ایک مرکزی انسٹی ٹیوٹ ہوگا۔ کمیٹی نے یہ بھی طے کیا کہ ہندی علاقوں میں دوسری زبانوں کے پڑھانے کے لیے استادوں کی تربیت اور تقرر کے لیے ۵۰ لاکھ کی رقم رکھی جائے۔ غیر سرکاری اداروں کی امداد کے لیے ۵۰ لاکھ روپیہ تجویز ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دو زبانی یا سہ زبانی لغات کی تیاری، ہندوستان کے لسانی جائزے کے لیے ابتدائی کام، ہندی کی کتابوں کے علاقائی رسم خط میں اور علاقائی زبانوں کی تصانیف کے ہندی رسم خط میں منتقل کرنے کے لیے، ریاستوں میں تقسیم کرنے کے لیے علاقائی زبانوں کی بھی کتابیں خریدنے کے لیے ۳۸ لاکھ کی رقم رکھی گئی ہے۔

کمیٹی نے طے کیا کہ پانچ سب کمیٹیاں جدید ہندوستانی زبانوں کی ضروریات پر غور کرنے اور ہندی سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے بنائی جائیں۔ ایک کمیٹی آسامی، بنگالی اور اڑیا کے لیے، دوسری اردو، پنجابی، کشمیری، اور سندھی کے لیے، تیسری گجراتی اور مراٹھی کے لیے، چوتھی تمل، تیلگو، کنڑ اور ملیالم کے لیے اور پانچویں ہندی سے ان زبانوں کا رابطہ مضبوط کرنے کے لیے تجویز کی گئی۔

علمی اور سائنسی اصطلاحات کے سلسلے میں یہ عام اصول تسلیم کیا گیا کہ جدید دور کی ضروریات کا لحاظ، چلن اور استعمال اور سنسکرت سے تعلق تینوں پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے۔ یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ شمالی ہند میں جنوبی ہند کی زبانوں اور جنوبی ہند میں شمالی ہند کی زبانوں کی تعلیم کے خاص طور پر انتظامات کیے جائیں اور یونیورسٹیوں میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کی منزل پر علاقائی زبان کے علاوہ کسی اور ہندوستانی زبان کی لازمی تعلیم کی بھی ہمت افزائی کی جائے بھارتی بھاشا سمیتی کے ارادے نیک ہیں۔ اس کا نقطۂ نظر بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت کا عمل کیسا ہوگا۔ در اصل اس سمیتی کی حیثیت ایک صلاح کار کی ہے۔ عمل تو بہر حال، مرکزی حکومت کو ریاستی حکومتوں کے تعاون اور غیر سرکاری اداروں کی مدد سے کرنا ہے۔ اگر جدید ہندوستانی زبانوں کے مسائل پر پوری توجہ ہوگی تو اس سے نہ صرف ان زبانوں کا بھلا ہوگا بلکہ ہندی کا بھی اور ملک کا بھی۔ کاش دستور کی دفعہ ۳۵۱ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندی کو راشٹر بھاشا بنایا جائے یعنی علاقائی زبانوں سے بھی ہندی بنانے میں مدد لی جائے۔ یہ ہندی پھر سب کی ہندی ہوگی اور سبھی اسے گلے سے لگائیں گے۔ اگر شروع سے یہ نکتہ سامنے ہوتا تو آج جو دشواریاں ہیں وہ نہ ہوتیں اور نہ لسانی اقلیتوں کو اس قدر پریشانیاں لاحق ہوتیں۔ اب بھی اگر اس غلطی کی اصلاح ہوجائے تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔

سرسید کے لکھے ہوئے، اردو میں عدالتی فیصلے

الہ آباد ہائی کورٹ کی نمائش میں

الہ آباد ہائی کورٹ کے صد سالہ جشن میں سرسید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی کے لکھے ہوئے عدالتی فیصلوں کی بھی نمائش ہوئی۔

سرسید نے یہ عدالتی فیصلے اردو میں اس وقت لکھے تھے جب وہ بنارس میں ۱۸۶۷ء کے بعد جج کی حیثیت سے کارگزار تھے۔

نمائش میں مغل عہد کی وہ سندیں پیش کی جا رہی ہیں جن کے تحت الہ آباد اور آگرہ کی دیوانی و فوجداری عدالتوں کو قانونی جواز دیا گیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری اٹھنے کے بعد جو عدالتی کارروائیاں اور فیصلے ہوئے ہیں ان کا ایک حصہ نمائش میں رکھا جا رہا ہے۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سباراؤ نے ۲۷ نومبر کو الہ آباد ہائی کورٹ کی عمارت کی گولڈن جوبلی کی تقریب کی صدارت کی اور سرسید کے فرزند جسٹس سید محمود کی تصویر کی نقاب کشائی کی جو یو۔پی کے پہلے ہندوستانی تھے جو ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ (قومی آواز)

"خوابوں کا مسیحا" کی رسم اجرا

بمبئی ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو کی ۷۷ ویں سالگرہ کے موقع پر شام کو چھ بجے انڈو عرب سوسائٹی ہال چرچ گیٹ میں اعجاز صدیقی کی طویل نظم "خوابوں کا مسیحا" (جو تین زبانوں میں حسن اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے) کی رسم اجرا عمل میں آئی۔ جلسے کی صدارت جناب ڈاکٹر رفیق زکریا ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، وزیر حکومت مہاراشٹر نے فرمائی۔ جلسے میں بڑی تعداد میں ادیبوں، شاعروں اور عمائدین شہر نے شرکت کی۔

سردار جعفری، سکندر علی وجد، ظ انصاری، مولانا حامد الانصاری غازی، سید شہاب الدین دسنوی اور ندا فاضلی نے تقریری پروگرام میں حصہ لیا۔ جناب ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ نشاط، ٹریڈ ایجنٹ جموں و کشمیر گورنمنٹ، صدر انجمن ترقی اردو بمبئی نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ جناب ماہر الکیانی نے اپنے انگریزی ترجمے کے چند بند سنائے جو پسند کیے گئے۔

جلسے کے آخر میں "خوابوں کا مسیحا" کی بہت سی کاپیاں شرکائے جلسہ نے خریدیں۔ (نامہ نگار)

بسمل سعیدی ٹونکی پر ایک کتاب کی اشاعت

بسمل سعیدی ٹونکی ہند و پاک میں یکساں شہرت و مقبولیت کے حامل ہیں۔ عرصے کے بعد بسمل سعیدی اگست ۱۹۶۶ء میں اپنے وطن ٹونک تشریف لائے اور وہاں ایک ہفتہ ان کا قیام رہا۔ ان کے زمانۂ قیام میں ان کے اعزاز میں ٹونک میں جو ادبی و شعری مجالس و محافل منعقد ہوئیں ان کی روداد کو "بسمل سعیدی اپنے وطن میں" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کرایا گیا ہے۔

اس کتاب میں علاوہ مذکورۂ بالا مجالس شعر و ادب کی روداد کے ٹونک کی قدیم معاشرت و تہذیب کی بھی کچھ جھلکیاں ہیں۔ کتاب ذیل کے پتہ پر بلا کسی قیمت کے مل سکتی ہے۔

ملنے کا پتہ

عماد الدین خاں مراد سعیدی، محلہ جیلین، ٹونک، راج

امتیاز الدین

مولوی محمد بشیر الدین کے نام

مہدی افادی کا ایک غیر مطبوعہ خط

البشیر میں ایم۔ مہدی حسن (افادی الاقتصادی) کے مضامین اکثر شائع ہوا کرتے تھے چنانچہ افادات مہدی کے تیس مضامین میں سے ۶ مضامین وہ ہیں جو البشیر سے نقل کئے گئے ہیں۔

۲۳ جنوری ۱۹۰۶ء کے البشیر میں مہدی افادی کا ایک مضمون علامہ شبلی کا ماہوار علمی سالانہ کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس پر مولوی محمد بشیر الدین مرحوم ایڈیٹر البشیر نے ایک ادارتی نوٹ لکھا تھا مرحوم مہدی افادی نے یہ خط اسی ادارتی نوٹ کے سلسلے میں لکھا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہدی حسن صاحب مرحوم کے خط کے ساتھ البشیر کا ادارتی نوٹ بھی شائع کیا جائے۔

اگرچہ میرے پاس نواب محسن الملک، وقار الملک، علامہ شبلی، اکبر الہ آبادی وغیرہ کے کافی خطوط ہیں لیکن مہدی حسن صاحب کا یہ خط اتفاقیہ طور پر بچے کھچے پرانے کاغذات میں دبا دبایا نکل آیا۔

البشیر کا ادارتی نوٹ حسب ذیل ہے۔

"آج کے البشیر میں علامہ شبلی کا علمی سال" کے عنوان سے ایک مضمون ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ عنوان ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہوگا وہ اسی دور سے مخصوص ہوگا یا علامہ شبلی کی ذات سے۔ لیکن مضمون کی وسعت میں بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو باعتبار اعلیٰ درجے کی انشاء پردازی کے کیا اور بلحاظ اعلیٰ درجے کی دقت نظر کے ضرور ہے کہ وہ دلچسپی کے ساتھ دیکھی جائیں گی۔

قوم کو ضرورت ہے کہ اس میں مختلف مذاق اور حیثیت کے راقم پیدا ہوں جن کے عمدہ اور پاکیزہ خیالات کا اثر دل سے اٹھ کر دل میں بیٹھے۔

ہمارے قابل دوست مسٹر مہدی حسن نوجوان تعلیم یافتوں میں اسی درجے کی قابلیت رکھتے ہیں جن کو اظہار خیالات کا قدرت نے کافی حصہ بخشا ہے وہ جس بات کو شروع کرتے ہیں یا جو کچھ کہتے ہیں وہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے لکھنے اور کہنے سے پہلے اس امر کی حقیقت پر کامل طریقے سے غور کر کے صحیح نتیجہ حاصل کیا ہے۔ جو خواہش قوم سے انھوں نے کی اور جن باتوں کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ ان کے ایک بات کی تمنا ہم کو قوم اور علی الخصوص اپنے دوست سے بھی ہے نہ معلوم اس خیال کا عکس ہم اپنی زندگی میں دیکھ بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ وہ کیا آرزو ہے جو ہمارے دل کے نیچے ہے قابل مضمون نویس نے تعلیم یافتوں سے چاہی ہے۔ اردو لٹریچر کی حفاظت اور اس میں دنیا کے نئے نئے علوم و فنون کی معلومات کو وسعت دینا۔

کوشش ہوگی کہ ہمارے قوم کے قابل تعلیم یافتہ اصحاب اس طرف متوجہ ہوں گے۔ آخر پرانے مالیوں سے کب تک توقع کی جائے گی کہ وہ اپنے ناتواں ہاتھوں سے ادھر ادھر کی کلیاں اور مرجھائے ہوئے پھول سمیٹ سمیٹ کر گلدستے بنائے جائیں ان کا یہ احسان کیا کم ہے جو یہ ثابت کر کے دکھلا دیا کہ اردو کم مایہ زبان نہیں ہے جیسا کہ سمجھے ہوئے ہو وہ ہر قسم کے برگ و بار سے سرسبز ہو سکنے کی قابلیت اور استعداد رکھتی ہے بشرطیکہ سینچائی کرنے والے محنتی ہوں کیاریوں میں کافی کی طاقت ہو۔ اب تو فرض ہے ان لوگوں کا جن کی قوت اور ڈیل ڈول کی وسعت ان اونچی شاخوں کے تھام سکتی ہے جن پر ناتواں ہاتھ باوجود اچکنے کی کوشش کے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ مختلف باغوں سے قلم لیں کیاریوں میں لگائیں اور پھر باغ اردو کے چمن کو طرح طرح کے اور رنگ برنگ کے پھل پھول سے آراستہ کر کے نئی نئی ڈالیاں دنیا کے سامنے پیش کریں اور دکھلا دیں کہ جو پھول اب پہنچ گئی تھی اس کے نوش نیا بود ہے۔ ہم میں ابھی تو معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اردو زبان کی طرف سے تعلیم یافتہ فرقے کی یہی بے توجہی رہی تو پھر دیکھ لینا

شاخ گل ایک روز تھی ذوق کا کھوئے گی

یاد رہے کہ قومی ترقی کے مانع جہالت اور ... ہیں ان میں سے یہ ایک لاعلاج امر ثابت ہوگا۔ اس موقع پر ہم کو اپنے معزز دوست سے ایک خاص شکایت بلا وجہ ہم کو جھلا دینے کی ہے۔ وہ تو کہیں گے جب ہم نے ان کی اب صورت دیکھی پھر بھی ہم ان سے شکوہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس چیز کی وہ دوسروں سے خواہش کرتے ہیں اس کلیہ سے وہ کیوں مستثنیٰ ہیں ہمیں ان لوگوں کی شکایت نہیں جو سمجھتے نہیں اور نہیں کرتے رنج تو ان سے پہنچتا ہے جو سمجھتے ہیں اور پھر کچھ نہیں کرتے غرض ہمیں امید ہے کہ مسٹر مہدی حسن مضمون نویسی کرنے کی کوشش کے علاوہ خود بھی وہ کریں گے جس کی دوسروں سے ان کو تمنا ہے۔ سردست تو ان کے یہ بلانے چھپنے پر ہم یہ کہہ کر ان کو سمجھاتے ہیں کہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا کہاں جائے گا۔

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا صبح کو جائے اور آئے شام

(البشیر ۲۳ جنوری ۱۹۰۶ء)

اس مضمون کی اشاعت کے بعد مہدی افادی نے اپنے مخصوص طرز میں ایڈیٹر البشیر کے نام ایک خط تحریر کیا جو حسب ذیل ہے۔

منجھن پور۔ الہ آباد

۳۰ ستمبر

پیارے جناب۔ ۲۳ کے پرچے میں آپ کے سنجیدہ قلم کا مخلصانہ نوٹ میری خامہ فرسائی کا بہترین صلہ تھا جو خیال میں آسکتا ہے۔ اپنی تعریف سبھی کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن تحسین ناشناسی میں لطف نہیں آتا۔ ایک ہم خیال بھی دنیا میں بڑی چیز ہے اور شکر ہے کہ البشیر کے مجذوب ایڈیٹر کے ساتھ مجھ کو جس نوع کا تعلق ہے وہ عکس عمل کے لحاظ سے بے اثر نہیں رہا یعنی اس کے دل میں بھی چوٹ کا اثر پاتا ہوں۔

بھئی۔ آپ کو شکایت ہے کہ میں جس حد تک چاہیے اخبار کی خدمت نہیں کرتا۔ مجھے بھی افسوس ہے۔ لیکن آج تیس برس پہلے زندگی میں نہیں ہوں۔ میرا خواب طفلی یا شباب کا تخیل جو کچھ کہئے میری خوش صفات بیوی تھی جس نے چند روزہ علالت کے بعد دفعتاً ترک ناقت کی اور میں گویا اکیلا رہ گیا کوئی چیز ایک ہے اور اپنا رہنے والی نہیں رہی تاہم کوشش کروں گا کہ کچھ نہ کچھ اردو لٹریچر کے حقوق سے سبکدوش ہوتا رہوں۔

اچھے بھائی۔ ذرا اخبار کی چھپائی کو سنبھالئے۔ علمی مضامین کے اقتباسات کا انتخاب کیجئے جس میں اندرونی کاوش مدد دے گی۔ البشیر میں کوئی امتیازی بات ہونی چاہیے۔ یہ صحیح نہیں کہ سنجیدہ تر اجزائے لٹریچر کی مانگ نہیں ہے آپ کا اخبار خواص میں پسند ہے اور ظاہر ہے اگر وہ سطح ارتقائی یعنی علمی حیثیت سے گرا ہوا ہے۔

ناظرین کے دائرۂ معلومات کو بڑھانا آپ کا فرض اخلاقی ہے۔ خبروں کا انتخاب بھی چنداں وسیع اور دلچسپ نہیں ہوتا یہ صیغہ بھی ایسا ہے جس میں البشیر کو اپنی خاص حالت کے لحاظ سے اخباروں کی عام رفتار سے کسی قدر علیحدہ ہونا چاہیے اس کے ساتھ ہی اس امر کا اہتمام کیجئے کہ اخبار ہلا اختلاف تاریخ اشاعت کے روز خریداروں کے پاس پہنچ جایا کرے۔ یاد رکھئے آپ کی زندگی کے متعلق اصلی کچھ ہوں تاہم جس حد تک آپ فنا فی القوم ہو رہے ہیں۔ آپ کی شریفانہ نیابت کے اصول کا زبردست آلۂ صرف البشیر ہے۔ صرف تھوڑا وقت صرف کیجئے۔ ملک میں جس قدر سنجیدہ لٹریچر شائع ہوتا رہتا ہے کسی نہ کسی حیثیت سے کھینچ تان کر اسے البشیر میں پیش کیجئے۔ رائے زنی کیجئے۔ سال میں دو چار کتابیں جو نکلتی ہیں ان پر ریویو کیجئے اس سلسلے میں آپ اس لائق ہو جائیں کہ کسی نہ کسی حیثیت سے اردو کی خدمت کر سکیں۔ مصری لٹریچر آج کل یقیناً قابل التفات ہے۔ رشید احمد صاحب آپ کے کام آسکتے ہیں!

مجھ کو پنجاب کے پرچوں سے باوصف کثرت اشاعت جس قدر نفور ہے اس کی وجہ سے میں ہمیشہ ہی چاہتا ہوں کہ دیار کے بازاری اور عامیانہ مذاق اخباری سے آپ کا پرچہ کہیں سے ملتا جلتا نہ ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں کہ آپ خود اخبار کا موجودہ قالب نہ بدل دیں۔ میں کرتے کم پر کر سکتا ہوں کہ ضروریات وقتی کی طرف آپ کو متوجہ کرتا رہوں گا اور لکھوں گا آپ سے لکھواؤں گا بس۔ اتنے اطمینان کی ضرورت ہے کہ البشیر آپ کے اور مشاغل میں ایک ضمنی اور بے معنی چیز نہیں ہے۔

برائے مہربانی چند پرچے قیمت طلب بھجوا دیجئے جن کی یادداشت علیحدہ بھیجتا ہوں۔

ہمیشہ آپ کا مہدی

یادداشت

البشیر ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ ۱ پرچہ کاغذ دیاقی

" ۲۳ر جنوری ۱۹۰۶ء۔ ۳ پرچے "

قیمت طلب۔ ذیل کے پتے سے

ایم۔ مہدی حسن

نائب تحصیل دار۔ منجھن پور

الہ آباد ۔۔۔

---

[1] ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۱ء کے البشیر میں مہدی افادی کا مضمون "علامہ نذیر احمد ایل۔ ایل۔ ڈی اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" شائع ہوا تھا۔

گونج

اسرار اکبر آبادی

بھٹک رہی ہے خلاؤں میں مدتوں سے زمیں
ازل کی پیاس ہے خاموشیوں کی موجوں پر
سیاہ چاند کو گھیرے ہوئے ہے پرچھائیں
گھلا گھلا ہے اندھیروں میں چاندنی کا غبار
اتر رہی ہیں کٹھن الجھنیں پہاڑوں پر
ابھر رہے ہیں کئی سلسلے ڈھلا نور سے
پھٹے پھٹے ہیں نظاروں کے سرمئی پرچم
خود اپنے آپ ہی تن کر چٹخ گیا موسم
تصورات کے ٹکڑے ہیں خواب زاروں میں
نظر کا ساتھ بھی رعنائیوں نے چھوڑ دیا
دماغ و روح کا رشتہ بھٹک کے توڑ دیا
اداس رات ہے بوجھل ہے زندگی کا وجود
گواہ بنے ہیں نگری کے لوگ سب سنے ہیں
وہ دور لوٹ کے پاؤں میں جا رہا ہے سوار
مگر وہ دوسرے رستے سے آ رہی ہے بہار

زندگی

مدحت الاختر

ایک صحرا
بے کراں
بے برگ و بار
جا بجا ہر گام پر ہر موڑ
لمبی کٹیلی جھاڑیاں
میرے دامن کی تمنائیں لیے
جنبشوں میں مست ہیں
اور میں دیوانۂ صبح ازل
دامنِ صد چاک کو سینے سے چپکائے ہوئے
اپنی آنکھوں میں اشکوں کے دیئے روشن کیے
اس بے کراں صحرا میں روز و شب رواں
اف یہ غم کی دھوپ اف یہ ذہن و دل کی تشنگی
کوئی سایہ کوئی نظارا بھی نہیں
ذکر کیا ان کا نہیں کوئی سراب
کوئی دھوکا بھی نہیں
اور میرا نغمۂ صبح ازل
صرف صحرا کی صدا!!

غزلیں

علو رضوی بستی

شوخی ہر نگاہ بھی دل کی آرزو — رقصاں زندگی کو ہے پایل کی آرزو
کیا کیا نہ اعتماد خود اپنے جنوں پہ ہے — کرتا ہوں فرطِ شوق میں مشکل کی آرزو
شرطِ وفا ہے شعلۂ تارِ نفس کی تاب — ہے شمع کشتہ کو محفل کی آرزو
اے دوست میں اوراں کی تمنا کیا کیا — اب تو غبارِ دل ہے نہ منزل کی آرزو
ہم نے تو ان کی زلف میں تارے سجائے تھے — وحشت کو پھر ہے طوق و سلاسل کی آرزو
آنکھوں میں اشک آئے مگر ہنس کے پی گیا — دل ہی میں گھٹ کے رہ گئی خود دل کی آرزو
اے برقِ بحرِ زیست کی ندی ہے تری پناہ — موجیں خود آپ کرتی ہیں ساحل کی آرزو

محمد عطاء الرحمن خاں عطاؔ

لوگ کیا جانے کیوں رسمِ وفا بھول گئے — جینے کے شوق میں مرنے کی ادا بھول گئے
عیش و عشرت کی تمنا میں کچھ ایسے الجھے — درد کا لطف تڑپنے کا مزا بھول گئے
مشغلِ جرم و خطا اپنا لیا یوں ہم نے مگر — پاسِ شائستگیِ جرم و خطا بھول گئے
اپنی اس کیفیتِ عشق کا کیا نام رکھیں — یاد وہ آئے تو ہم اپنا پتہ بھول گئے
حالِ دل پوچھا کسی نے کچھ اس انداز کے ساتھ — ہم بھی بیتے ہوئے جور و جفا بھول گئے
اپنے ہمدردوں کا یہ لطف و کرم کیا کہئے — درد تو یاد رکھا اور دوا بھول گئے
قافلے والے ذرا خیر منائیں اپنی — راہِ منزل کا پتہ راہنما بھول گئے
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا — نوجواں اتنی کھلی بات بھی کیا بھول گئے
عطاؔ آلامِ زمانہ سے پریشاں ہو کر — اچھے اچھے بھی تو آئینِ وفا بھول گئے

ذکاء الدین شایاں

توڑا ہے اب بھی دل نے وہ عہدِ نظر کہاں — مانوس ہم ہوئے ہیں تجھے دیکھ کر کہاں
دل سے کہو کہ تھمیں لیے اس کے پاؤں کی — جز اس کے اور کوئی رفیقِ سفر کہاں
اب قتل گاہِ زیست میں خوش ہیں اسیرِ شوق — پڑتا ہے اس کا سایۂ زلفِ نظر کہاں
اٹھا زخم سے دور بھی غم آرزو سے دور — پہنچے ہیں اہلِ فن تری بات پر کہاں!
تمہیدِ عمر ہی پہ تری جبیں لرز اٹھیں — افسانۂ عشق کا بھی ہوا مختصر کہاں!
تھک تھک کے راہ سو گئی اس بام و در تو — آئے ہیں لوٹ کر مگر اہلِ نظر کہاں
تیری نگاہِ غم کا تو عالم ہی اور ہے — ہم بھی ہوئے اداس مگر اس قدر کہاں

ایم کرشیادی راہی

بکھر کے جسم کی مٹی غبارِ شام ہوئی — ترے حضور آئے یہ بات حسرتِ غم بھی
ہوا کے ہمسفر کے جلو گرم ہے چتا کی راکھ — عجب نہیں کہ یہی رہ گئی ہو جستجو زندگی
تمام شب رہی راحت کی آس یخ بستہ — تمام شب مری آنکھوں سے غم کی ہوا سی
خدا ہی جانے یہ کچی سڑک کہاں سے چلے — تھکن کے زہر میں ڈوبا ہے اس کی خلوت بھی
ہزار بار صلیبوں نے اشک ٹپکائے — کسی مسیح نے جھوٹے سے بھی نگاہ نہ کی
تھا صدیوں پہلے ہیں پر دیارِ لالہ رخاں — کبھی تو دل کی جہ سوکھی ہوئی بھی شاخ ہری
شکست کھا کے بھی مانی نہ مجھ نے شکست — دل ابھر کے صدمے حیات جیت گئی!
جو بیج ریزہ پہ کھیتوں میں بکھر سکا راہی — اسی خیال سے مدت ہوئی غزل میری

سید مسعود حسن رضوی ادیب

مدرسۂ قیصریہ مٹیا برج کلکتہ بنا کردۂ واجد علی شاہ

واجد علی شاہ نے اپنے عہد فرماں روائی میں اہل مملکت کی تعلیم و تربیت کے لیے جو کچھ کیا اس پر مورخوں کی خاموشی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ حسن اتفاق سے مجھ کو ایک مطبوعہ رسالہ مل گیا جس سے اس مدرسے کا حال معلوم ہو جاتا ہے جو واجد علی شاہ نے اپنی معزولی اور تنگ دستی کے زمانے میں مٹیا برج کلکتہ میں قائم کیا تھا۔ اس کے علاوہ شاہ معزول کے بعض دوسرے امور خیر کا بھی علم ہو جاتا ہے اور ضمناً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ واجد علی شاہ کی قدر شناسی اور سرپرستی نے مٹیا برج کو مشرقی علوم و فنون کا مرکز بنا دیا تھا۔ اس رسالے کے سرورق پر حسب ذیل عبارت درج ہے:-

"حالات مدرسۂ قیصریہ واقع مٹیا برج کلکتہ جو بیادگار جشن جوبلی بہ سرپرستی حضرت سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ جنت آرام گاہ قائم ہوا تھا۔ مرتبہ اخلاص الدولہ سید احمد حسین خاں سکریٹری مدرسۂ قیصریہ۔ باجازت کمیٹی انجمن رفاہ ہند کلکتہ ۱۸۹۰ء میں دل گداز پریس لکھنؤ واقع گڑہ بزن بیگ خاں میں چھپ کر شائع ہوئی۔"

رسالے کی ابتدائی چند سطریں حسب ذیل ہیں:-

"یہ مدرسہ ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء کو ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کے جشن جوبلی پنجاہ سالہ کی تہنیت میں قیصر زماں شاہ عادل سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرپرستی سے کھولا گیا۔ یہ جب رنگ مدرسہ البتہ نہایت شاہانہ اولوالعزمیوں کے ساتھ کھلا تھا۔ کثرت روشنی اور آتش بازی کے سبب سارا مٹیا برج نور موفور سے رشک طور تھا جس کے شوق دید میں ہزارہا شائقین اور تماشائی کلکتے سے اس نظر فریب عالم کے دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ علاوہ اس پر جوش سامان تہنیت کے بہت کچھ خیرات غربا و مساکین کو تقسیم کی گئی۔ چنانچہ اس مبارک تہنیت کا شکریہ جو کہ دل سے بسرپرستی شاہ مرحوم مدرسۂ قیصریہ کی طرف سے ظاہر کی گئی تھی الجناب گورنمنٹ گزٹ میں پرگنہ بذریعہ چٹھی ادا کیا ہے۔"

کچھ دور آگے چل کر یہ عبارت ملتی ہے:-

"اس مدرسے میں انگریزی، عربی، فارسی، بنگلہ اور اردو کی پڑھائی مقرر کی گئی اور پہلے ہی پانچ درجے کھولے گئے۔ اس میں زیادہ تر ایک بات رکھی گئی کہ ماسوا ابتدائی پڑھانے کے وہ طلبہ جو کہ ایک عرصے تک عربی یا فارسی یا انگریزی پڑھ چکے تھے ان کے لیے ابتدا سے آخر تک اورینٹل کلاس درجہ ہائے خاص کھول دیے گئے تھے اور ان کے لیے علما اور فضلا معقول مشاہروں پر مقرر کیے گئے تھے۔ یہ مدرسہ اس تعلیمی عمدگی کے علاوہ باعتبار ساز و سامان کے شاہانہ اولوالعزمیوں کے ساتھ قائم کیا گیا تھا اور ہر درجے میں عام طلبہ کے لیے بہت عمدہ تکیے دار تپائیاں اور ڈیسک اور نفیس فرش کرسی بچھایا گیا اور ہر درجے میں عمدہ پنکھے اور خس کی ٹٹیاں لگائی گئیں۔

اس مدرسے کے افتتاحی دن میں تین سو طالب علموں نے رجسٹر داخلہ میں نام لکھائے اور ہر روز تعداد طلبہ مدرسے کی آئندہ امیدوں کی طرح بڑھتی گئی۔ حضرت شاہ اودھ نے یہ تمام سامان دیکھ کر بہت بڑی مسرت ظاہر فرمائی اور وعدہ فرمایا کہ میں اس کے واسطے ایک ایسی رقم مستقل مقرر کر دوں گا جو ہمیشہ کے واسطے اس کی بقا کے لیے کافی ہو سکے۔ مگر افسوس کہ زمانہ یہاں بھی اپنی نیرنگیوں اور فتنہ پردازیوں سے باز نہ آیا۔"

واجد علی شاہ آخر مارچ ۱۸۸۷ء سے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۷ء تک بیمار رہ کر دنیا سے رحلت کر گئے اور مدرسے کے متعلق کوئی مستقل انتظام کرنے کا موقع ان کو نہ مل سکا۔

انجمن رفاہ ہند کا پہلا جلسہ جو ملکۂ معظمہ کے جشن حکومت پنجاہ سالہ کی یادگار میں مٹیا برج کلکتہ میں ۲۳ جنوری ۱۸۸۷ء کو اتوار کے دن منعقد ہوا، اس میں مدرسۂ قیصریہ کی بنا ڈالی گئی۔ اس جلسے میں نواب منتظم الدولہ بہادر نے جو تقریر کی اس کا ایک اقتباس ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:-

"خدا کا شکر ہے کہ اسی چھوٹی سی چھاؤنی (مٹیا برج) میں کہ جو مثل شہر ہے منتخب نظیر اس وقت بھی ایسے ایسے باکمال لوگ موجود ہیں جو ہماری قوم کے لیے باعث افتخار ہو سکتے ہیں یعنی المجتہد، واعظ، ادیب، مدرس، منشی، نثار، محاسب، مدرس انشا، خوش نویس، مصور، ہندسہ داں، مورخ وغیرہ ایسے ایسے کامل ہیں جن کی ذات مغتنمات سے ہے..... اس چھوٹے سے مقام میں ہر سال ۱۲ ربیع الاول، محرم الحرام میں کوئی سوا لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے علی ہذا القیاس محافل میلاد شریف اور دیگر خیرات و مبرات میں ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ ہمارے آقا اور بادشاہ کی یہ فیاضی کیا کم ہے کہ کربلائے معلی میں ایک شفاخانہ مختصر بابت تقرر تنخواہ طبیب اور مصارف علاج قائم فرما دیا ہے جس کی نظیر اس وقت تک نہیں دیکھی گئی اور وہ بذمہ مستوفی روپیہ ماہوار ایک مدنی کونسل کا خرچ دیا ہے۔ مٹیا برج سے چندہ خانہ مجوزہ بیروت کس خوشی کے ساتھ بھیجا گیا اور یہاں ادنیٰ اخبر اور معمولی نے بھی اس چندے میں سو سو روپے دے ڈالے۔"

منتظم الدولہ نے اپنی مذکورۂ بالا تقریر میں کہا کہ انجمن رفاہ ہند کے بانی مبانی چند نیک دل ذی ظرف ہیں: شرافت الدولہ متولی امامباڑہ وغیرہ نے انجمن کے عہدہ داروں کے نام تجویز کیے۔ مولوی برکات احمد اور سید سراج الدین احمد جوائنٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔

- - - - - - - - - -

احسان الحق

پنجاب میں ویٹرنری کالج

ورناکیولر ذریعہ تعلیم کا پہلا ویٹرنری کالج

گذشتہ صدی میں اقتدار اعلیٰ ایسٹ انڈیا کمپنی سے تاج برطانیہ کو منتقل ہو جانے کے بعد حکومت ہند نے ہاپوڑ میں علاج حیوانات کا ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا جس کے پرنسپل جے ایچ بی ہالفن تھے۔ اس مدرسہ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ موزوں ہندوستانیوں کو اتنی تربیت دی جائے کہ وہ انگریزی فوج کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کر سکیں یا گھوڑ سوار فوج میں سپاہیوں کی حیثیت سے کام دے سکیں۔ یہ تربیت ورناکیولر زبان میں دی جاتی تھی۔ ہاپوڑ کی ورناکیولر زبان اردو تھی۔

۱۸۸۲ء میں اس اسکول کو لاہور منتقل کر دیا گیا جو غیر منقسم ہند میں صوبہ پنجاب کا صدر مقام تھا۔ اس وقت اس کے پرنسپل کرنل کیٹل ول (KETTLE WELL) تھے۔ تدریس کے لیے میڈیکل کالج کے دو اساتذہ خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان اور خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لاہور میں یہ اسکول حکومت پنجاب کے ملٹری سکریٹری کی راست نگرانی میں تھا۔ بعد میں ملٹری سکریٹری کا عہدہ اور اس سے متعلقہ محکمے برخواست کر دئے گئے مگر اس مدرسہ کو افادیت کے مدنظر اسے بند کرنے کے بجائے سول سروس میں محکمہ لینڈ ریکارڈ کے تحت منتقل کر دیا گیا جو فنانشیل سکریٹری کے احاطۂ اختیار میں تھا۔ اب داخلے سویلین طلبہ کو بھی دیئے جانے لگے۔

مدرسہ کی خدمات اور افادیت نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ اس مدرسہ کو ایک شایان شان عمارت میں منتقل کیا جائے، چنانچہ ۱۸۸۷ء میں ایک وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کی گئی اور اسٹاف میں خان بہادر سید مہتاب شاہ گیلانی بھی شامل کئے گئے۔ دوسرے سال مزید دو اساتذہ خان بہادر سید سردار شاہ گیلانی اور خان صاحب راجہ غلام حسین کا بھی اضافہ کیا گیا۔

کرنل کیٹل ول ۱۸۹۰ء میں مدراس چلے گئے۔ ان کی جگہ کرنل پیٹن نے لی جو چھ سال تک اس کے پرنسپل رہے۔ ان کے دور میں مدرسہ نے ہمہ جہتی ترقی کی۔ انہی کی نگرانی میں کافی ضخیم اور مستند کتابیں اردو زبان میں ویٹرنری سائنس پر مرتب کرائی گئیں۔ انہی کی پرنسپلی کے زمانے میں کرنل پیز نے جو اسٹاف ممبر تھے اردو زبان میں علاج حیوانات پر سہ ماہی رسالہ جاری کیا جو بہت مقبول ہوا مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ بند ہو گیا۔

خود کرنل پیز نے ۱۸۹۷ء میں کالج کی پرنسپلی پر ترقی پائی۔ ان کے دور میں تو کالج کو غیر معمولی ہمہ جہتی ترقی ہوئی۔ اب تک تعلیم کی مدت دو سال تھی مگر ان کے دور میں اس مدت کو بڑھا کر تین سال کر دیا گیا تاکہ طلبہ زیادہ مدت میں زیادہ تجربہ سہولت کے ساتھ حاصل کر سکیں۔ ساتھ ہی نام ویٹرنری ایلیمنٹری اسکول سے بدل کر پنجاب ویٹرنری کالج کر دیا گیا۔

ہاپوڑ کے نقش قدم پر کچھ عرصہ بعد اجمیر میں بھی ایک ویٹرنری اسکول کھولا گیا تھا جس کا ذریعہ تعلیم بھی اردو تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اس اسکول کو بند کر دیا گیا اور اس کا سارا مانزہ سامان پنجاب ویٹرنری کالج کو منتقل کر دیا گیا۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک کرنل اسمتھ پرنسپل رہے

۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۹ء تک کرنل پیز دوبارہ پرنسپل رہے

اپریل ۱۹۱۵ء میں کالج اپنی نئی اور شاندار عمارت میں منتقل کیا گیا۔ اسی دور میں سویلین طلبہ کے لیے ایک چار سالہ اردو کورس کا اور ملٹری کے لیے نامزد طلبہ کے لیے ایک تین سالہ اردو کورس کا آغاز کیا گیا مگر پہلی جنگ عظیم شروع ہو جانے کی وجہ سے اس کورس کو بند کر دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء تک کالج میں داخلہ میٹرک کامیاب طلبہ کو دیا جاتا رہا اور تین سالہ کورس کی تکمیل کے بعد G.V.P. ڈپلوما آف لائسنسڈ ویٹرنری پریکٹیشنر کی سند دی جاتی تھی۔

۱۹۱۹ء کے اواخر میں کرنل واکر پرنسپل بنے ان کے دور میں کالج سے تین سالہ اردو کورس برخواست کر دیا گیا۔ اس کی جگہ چار سالہ انگریزی کورس نے لے لی اور داخلہ انٹر کامیاب طلبہ کو دیا جانے لگا۔

ہماری زبان اور اردو ادب

کے خریداروں سے گذارش

ہماری زبان کی متعدد اشاعتوں میں اس کی اطلاع دی جا چکی ہے کہ یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء سے اخبار ہماری زبان کی سالانہ قیمت چار روپے اور اردو ادب کی سالانہ قیمت بارہ روپے ہو گئی ہے۔ لیکن پھر بھی بعض حضرات تین روپے اور دس روپے بالترتیب بھیج رہے ہیں۔ ایسے خریداروں کی میعاد اسی حساب سے درج کی جا رہی ہے لہذا مزید یاد دہانی کی جاتی ہے کہ آئندہ سے چار روپے ہماری زبان کے لیے اور بارہ روپے اردو ادب کے لیے سالانہ قیمت بھیجا کریں۔ ہماری زبان کے ایک پرچہ کی قیمت بارہ پیسے اور اردو ادب کی ایک کاپی کی قیمت تین روپے ہوگی۔ ادبی حلقہ کے ممبران سے رکنیت کی فیس یکمشت ۳۳ روپے یا گیارہ گیارہ کی تین آسان قسطوں میں لی جائے گی۔

منیجر

مراسلہ

مضطر خیرآبادی کی خبر مرگ کی فریاد

(اس سلسلے میں ہمیں ہما میرٹھی اور خنجر خیرآبادی کے مراسلے بھی موصول ہوئے ہیں برکاتی صاحب کا مراسلہ معلومات کے لحاظ سے زیادہ اہم ہے اس لیے ہم صرف اسی کو شایع کر رہے ہیں دوسرے مراسلہ نگاروں کے مراسلوں اور برکاتی صاحب کے مراسلے میں جہاں جہاں اختلاف ہے اس کی وضاحت حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ ادارہ ہماری زبان)

اخبار ہماری زبان مورخہ ۸ اگست ۹۹۶ء میں صفحہ ۱۰ کالم ۱ پر جناب خاور جیل پوری کا مراسلہ بعنوان "مضطر خیرآبادی کا نوحہ وفات" شایع ہوا ہے خاور صاحب نے حضرت مضطر مرحوم کی اس نظم کی خواہش کی ہے جو مضطر صاحب نے اپنی وفات کی غلط خبر اڑ جانے پر کہی تھی اور جنوری ۱۹۲۶ء کے ماہنامہ پیمانہ آگرہ میں شایع ہوئی تھی۔

میری نظر سے جب سے یہ مراسلہ گزرا تھا میں رسالہ پیمانہ اور اسی نظم کی تلاش میں تھا اتفاق کی بات کہ کل بعد مغرب ٹونک کے مشہور قانون داں اور محترم بزرگ جناب حبیب الدین خاں صاحب ایڈوکیٹ کے دولت کدہ پر جانا ہوا وہاں جناب مولانا جلال الدین صاحب سابق مجسٹریٹ ٹونک بھی تشریف رکھتے تھے۔ باتوں باتوں میں پرانے شعرا کے تذکرہ کے ذیل میں حضرت مضطر مرحوم کا بھی ذکر آ گیا اس پر مجھے خاور صاحب کی طلب یاد آئی میں نے اس نظم کا ذکر کیا تو مولانا جلال الدین صاحب نے فرمایا میرے پاس پوری نظم میری بیاض میں موجود ہے اور وہ بیاض آج کل حبیب الدین خاں صاحب ہی کے پاس ہے۔ چنانچہ میری درخواست پر حبیب الدین صاحب نے نظم مذکور اسی وقت عنایت فرما دی۔ جس کی نقل ذیل میں درج ہے۔

حضرت مضطر اور ان کے آبا و اجداد کا ٹونک سے بڑا گہرا اور قریبی تعلق رہا ہے ان کے جد امجد علامہ سید تفضل حسین خاں ان کے والد حافظ سید احمد حسین اور برادر کلاں حضرت بسمل خیرآبادی ریاست ٹونک کے ذمہ دار اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ خود حضرت مضطر مرحوم بھی عرصہ تک ٹونک میں بعہدہ سفارت و نظامت ممتاز رہے ہیں، ساتھ ہی اس کے حضرت بسمل مرحوم کے بعد جہاں فرماں روا امین الدولہ نواب ابراہیم علی خاں بہادر مرحوم کے مشیر سخن بھی تھے۔

ٹونک میں الحمدللہ ابھی ایسے لوگ زندہ ہیں جنھوں نے حضرت مضطر اور ان کے اعزا و اکرام کو دیکھا ہے یہاں کے اہل علم اور ارباب شعر و سخن حضرت مضطر کے حالات اور ان کے کلام سے بطور خاص شغف رکھتے ہیں اور آج بھی بہت سوں کو ان کی غزلیں نظمیں، برساتیں اور ٹھمریاں یاد ہیں بارش کے موسم میں جب آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوتی ہیں تو پکنکوں اور گوٹھوں میں جھولوں میں آج بھی ان کی مشہور برسات "چھا رہی کالی گھٹا جیا مورا لہرائے ہے" ملہار میں گائی جاتی ہے اور خواتین کے حلقوں میں بڑی مقبول ہے۔

پرانے واقف کاروں کا کہنا ہے کہ مضطر مرحوم بڑے زندہ دل یار باش اور رنگین مزاج انسان تھے۔ وہ جب ٹونک میں عدالت منصفی (جس کا دوسرا نام عدالت دیوانی تھا) کے ناظم تھے۔ انھوں نے بعض فیصلے منظوم لکھے ہیں۔ جو غالباً عدالت مذکورہ کے محافظ خانہ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک شعر اس وقت ذہن میں آ رہا ہے جو ہیں یہ فرماتے ہیں

بن گیا کارگزاری میں بھی وحشت کا خیال
جس عدالت کا میں ناظم ہوں وہ دیوانی ہے

ایک مرتبہ مضطر کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ انھوں نے یہاں سے ترک تعلق کا ارادہ کیا اور نواب صاحب کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کیا، یہ استعفیٰ بھی منظوم تھا جو آج ایک ادبی و تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

میں نے عرصہ ہوا جب مضطر اور ٹونک کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا تھا جو ایشیا آگرہ میں شائع ہوا تھا۔

بہر حال مطلوبہ نظم پیش ہے۔

مرگ غلط کی فریاد

از حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم

سیہ تاب پاب یکدہ بیری بھی بس جاتو
کبھی میں بھی تو رہتا تھا شریک دور پیمانہ
مگر اس جنوری چھبیس میں بے موت موت آئی
بنا میں اپنی پیاری زندگی کا آپ افسانہ
چلا گلزار عالم سے تو پہنچا باغ جنت میں
نصیحت جس پہ ہے دنیائے فانی کا پری خانہ
مگر کا فراد محبوب کوئی بھی نہیں دیکھا
فقط حوریں ہی حوریں تھیں بعد ناز و دو شانہ
حسینان جہاں کی یاد نے بے چین کر ڈالا
وہ شکلیں ہی نہ تھیں جنت میں دل تھا جن کا دیوانہ
یہ حالت دیکھ کر میں تو جی گھبرا گیا فوراً
خدا سے لے لیا پھر واپسی کا میں نے پروانہ

لہ ہما میرٹھی اور خنجر خیرآبادی صاحب نے کہ لکھا ہے۔
لہ خنجر خیرآبادی نے جن کا دل تھا دیوانہ لکھا ہے۔
لہ ہما میرٹھی نے کوئی ادا محبوب جنت میں نہیں پایا
کہ کر لیتا میں دل بہلانے کو کچھ جس سے یارانہ
لہ ہما میرٹھی نے لکھا ہے وہاں حوریں ہی حوریں تھیں بعد ناز و دو شانہ

گیا تھا جبوری میں مارچ میں مدا واپس چلا آیا
ہمارا جہد کی خدمت میں دم نزع جنبش شاہانہ
شہید ناز مرنے کیا تھیں اس دنیائے فانی میں
پھر آکر کھٹکھٹائی خیریت زنجیر سے خانہ
یہ حضرت کون سے محبوب ہیں اندور میں ایسے
جنھوں نے بے مرے مارا مجھے با ناز مستانہ
ذرا بے ہنگم عشق کی جھوٹی خبر دے کر
میان میکدہ پھیلا دیا اک جوش رندانہ
اگر کچھ فائدہ ان کو مرے مرنے سے ہوتا ہو
تو میں مرنے کو بھی تیار ہوں با شان مردانہ
ذرا اسم گرامی ان کا مجھ کو بھی بتا دیجئے
کہ اس اندور میں وہ کون سے ہیں صاحب خانہ
ہوائیں جھوٹی یہ باندھ کر خبریں اڑاتے ہیں
بھرے گھر کا بجھانے میں چراغ طاق کاشانہ
سپاس خاص ان کا میں ادا کرنے کو جاؤں گا
جنھوں نے اپنے ہاتھوں بیچ دیا میرا عزا خانہ
انھیں بھی ایک دن اس گلشن فانی سے اٹھنا ہے
بتا دوں گا انھیں میں راہ و رسم ملک بیگانہ
ثواب فاتحہ جو اس سے پہلے مجھ کو پہنچا ہے
کچھ اس میں سے انھیں دوں گا بطور رسم نذرانہ
گدائے میکدہ ہیں ہم تو تنہا ہم نہیں پیتے
چلا آتا ہے مدت سے یہ دستور قدیمانہ
دوبارہ اب اگر جانا ہوا اللہ کے گھر تک
تو کہہ دوں گا کہ چلئے آپ بھی بارسم یارانہ

مضطر خیرآبادی نے "بہ تیغ و لطف جانانہ" لکھا ہے
ہما میرٹھی نے "تھا" کے بجائے "ہیں" لکھا ہے
مضطر خیرآبادی نے لکھا ہے "شہید ناز مرتے ہیں کب اس دنیائے فانی میں"
ہما میرٹھی نے "تجلی کی جھلک پنہاں ہے آنکھوں کے پردوں میں
نہیں دیکھا ابھی تک میں نے تربت کا سیہ خانہ" لکھا ہے
ہما میرٹھی "آخر" حضرت کے بجائے لکھا ہے
مضطر خیرآبادی نے محبوب کے بجائے معشوق لکھا ہے
مضطر خیرآبادی نے "ہو" کے بجائے "ہے" لکھا ہے
مضطر خیرآبادی نے "ہیں کون سے وہ صاحب خانہ" لکھا ہے
مضطر نے اس شعر کو یوں لکھا ہے۔ ہوائیں جھوٹ کی جو باندھ کر خبریں اڑاتے ہیں
بھرے گھر کے بجھاتے ہیں چراغ طاق کاشانہ
مضطر خیرآبادی "گدائے میکدہ ملتی ہے تو تنہا نہیں پیتے" لکھا ہے
ہما میرٹھی "اگر اب کی بلاوا آگیا اللہ کے گھر سے
تو لے لوں گا انھیں بھی ساتھ بار یارانہ"

سفر میں ایک سے دو ہوں تو رستہ خوب کٹتا ہے
اکیلا ٹھیر کر میں کھانے کو تنہا کیا جاؤں دیوانہ
جو راضی ہو گئے ہمراہ چلنے پر تو اچھا ہے
نہ جائیں گے تو کہہ دوں گا کہ ادھر دو میرا ہرجانہ
سنا اے حضرت سیماب یہ دنیا کی حالت ہے
جو چاہے جس کی نسبت منھ سے کہدے بے محابانہ
خدا کے واسطے تردید کیجے میرے مرنے کی
میں زندہ ہوں ابھی مصروف دید روئے جانانہ
تجلی کی جھلک پنہاں ہے آنکھوں کے پردوں میں
نہیں دیکھا ابھی تک میں نے تربت کا سیہ خانہ
مرے احباب سارے صورت سیماب مضطر ہیں
انھیں آپ یہ خبر دیجئے کہ جھوٹا ہے یہ افسانہ
عزاداروں کے آنسو پونچھ دامان وحشت سے
مرے ماتم میں شامل کیجئے شان کریمانہ
گلابی رنگ کی مے سے فقط اتنا ہی لکھ دیجئے
ابھی زندہ ہے مضطر خاک پائے اہل میخانہ

فقط تاریخ نقل۔ ۳۰ اگست ۱۹۹۶ء
سید منظور الحسن برکاتی ٹونک

مضطر خیرآبادی "کہاں جاؤں میں دیوانہ" لکھا ہے
ہما میرٹھی نے "کیوں" لکھا ہے
ہما میرٹھی نے اس شعر کے بعد یہ شعر لکھا ہے
ثواب فاتحہ جو اس سے پہلے مجھ کو پہنچا ہے
جو وہ چاہیں تو کردوں پیش بشکل نذرانہ
مضطر نے "پر" کے بجائے "کو" لکھا ہے
ہما میرٹھی "جو چاہا جس کی نسبت کہہ دیا بس بے محابانہ"
مضطر نے "ابھی آمادہ ہے دنیائے میخانہ"
ہما میرٹھی "کہ جس سے مطمئن ہو جائے ہر اک اپنا بیگانہ"
مضطر نے "پردوں میں"
مضطر نے "ایسی" لکھا ہے
ہما میرٹھی نے لکھا ہے "انھیں ایسی خبر دیجئے کہ جھوٹا تھا یہ افسانہ"
مضطر نے "رحمت" لکھا ہے
ہما میرٹھی کے مراسلے میں اشعار کی تعداد اٹھارہ ہے۔

بہار کے گوشہ گوشہ میں یوم اردو منایا گیا

ریاستی انجمن کے دفتر اور اخباروں کے نام خبریں اور خطوط

پٹنہ ۲۴ نومبر بہار کے کونے کونے میں شاندار طور پر یوم اردو منایا گیا۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے دفتر کی اطلاع ہے کہ بھاری تعداد میں خطوط موصول ہونے لگے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صدر جمہوریہ ہند کے نام اردو دوستوں نے ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیجے ہیں۔ کہ اردو کو بہار کی ثانوی سرکاری زبان بنایا جائے اسی اطلاع میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن اردو دوستوں نے اب تک خط نہیں بھیجا ہے وہ کل اور پرسوں مزید دو دنوں کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ پوسٹ کارڈ بھیجیں اور بھجوائیں۔

یوم اردو کا جلسہ زیر اہتمام انجمن ترقی اردو پٹنہ سٹی زیر صدارت غلام سرور بمقام منگل تالاب اردو لائبریری بروز اتوار مورخہ ۱۳/ نومبر ۱۹۶۶ء منعقد ہوا۔ تحریک صدارت سید غضنفر نواب دانش صاحب عظیم آبادی نے کی۔ تائید مقبول عالم صاحب نے کی۔

(۱) حرف آغاز۔ شکیب ایاز صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو پٹنہ سٹی نے کی۔ (۲) سید غضنفر نواب دانش صاحب عظیم آبادی نے نے ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ (۳) جناب طوفان چندر جوش سکریٹری بہار اسٹیٹ اسٹوڈینٹس فیڈریشن (۴) کامریڈ چندی پرشاد سکریٹری پٹنہ سٹی شاخ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (۵) جناب راجندر پرشاد سکریٹری پٹنہ سٹی شاخ سمیکت سوشلسٹ پارٹی (۶) سید احسن الظفر ممبر پٹنہ میونسپل کارپوریشن (۷) غلام سرور (صدر جلسہ) صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے اردو کو بہار میں ثانوی سرکاری زبان کا درجہ دئے جانے کے متعلق وضاحت کے ساتھ تقریریں کیں۔ مخالف پارٹی کے لیڈروں نے بھی اپنی تقریروں میں اردو تحریک کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلایا اور حکومت کی طرف سے ٹال مٹول کرنے کے رویہ کی سخت مذمت کی۔ انھوں نے کہا کہ اردو بہار کے مختلف فرقوں کی مشترکہ زبان ہے۔ مقررین حضرات نے حکومت کی پالیسی سے سخت بیزاری کا اظہار کیا۔

ممبر پٹنہ کارپوریشن جناب احسن الظفر نے کہا کہ اردو کے حق ملنے کا اس بات سے یقین ہو جاتا ہے کہ اردو دوست اس کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ حکومت اب کسی صورت میں اس جائز مطالبہ سے ہرگز گریز نہیں کر سکتی ہے۔ انھوں نے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی لیڈرشپ اور اس کے اقدام کی مکمل تائید کی۔

ایک تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی جو درج ذیل ہے۔

انجمن ترقی اردو شاخ پٹنہ سٹی کا یہ جلسہ جو یوم اردو کے سلسلے میں منعقد کیا گیا ہے اس امر پر اپنی انتہائی تشویش اور بیزاری کا اظہار کرتا ہے کہ اب تک حکومت نے اردو کو ثانوی سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا ہے۔ یہ جلسہ ارباب اقتدار کے اس غیر منصفانہ رویہ پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے مطالبات کی مکمل تائید و حمایت کرتا ہے اور صدر جمہوریہ ہند سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اس کام میں اب ایک دن کی بھی دیر نہ کی جائے۔

یوم اردو کے جلسے کا افتتاح جناب مجتبیٰ حسین علی جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے کیا۔ جناب منظر صاحب وکیل اور پروفیسر ایم۔ اے رضوی پٹنہ کالج نے بھی عوام کو پر جوش انداز میں خطاب کیا۔

جلسہ میں چند تجویزیں منظور کی گئیں۔ ایک تجویز میں دربھنگہ اور مظفرپور کی چند اہم اور اردو دوست شخصیتوں کی وفات پر اظہار رنج و غم کیا گیا دوسری تجویز میں حکومت کے اردو کش رویہ کی وجہ سے حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

ایک دوسری تجویز میں اردو دوست عوام کی طرف سے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی اردو تحریک کی کامیابی کے لیے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا گیا اور اردو دوستوں سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں صدر جمہوریہ کے پاس اردو کے مطالبہ کی تائید میں خط بھیجنے کی اپیل کی گئی۔ یوم اردو کا اجلاس ساڑھے دس بجے شب میں ختم ہوا۔

اس کے بعد جناب حسن امام درد کی صدارت میں اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا۔

اردو سے تعصب چل نہیں سکتا

کرنل زیدی کا خطبہ

لکھنؤ ۲۰ نومبر اردو کی خوبصورتی اسے مرنے نہیں دے گی اور اس سے تعصب زیادہ دن نہیں چل سکتا لیکن اس کے لیے مسلسل جد و جہد کرنا ہوگی یہ بات ممبر پارلیمنٹ کرنل بشیر حسین زیدی نے کل اس مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے کہی جو آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ کی گولڈن جبلی کے سلسلے میں یتیم خانہ کے ہال میں منعقد ہوا تھا۔

ایک تحریری خطبہ میں زیدی صاحب نے کہا کہ شاعر کے الفاظ جادو جگاتے ہیں احساس چراغاں کرتے ہیں اور مشاعرہ ایک ایسا تہذیبی ادارہ ہے جس سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تاہم انھوں نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ لکھنؤ میں جو اردو کا مرکز تھا آج اردو کا حال تباہ ہے اور اس کو اجنبی سمجھا جا رہا ہے۔

اس سے پہلے مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے پنڈت آنند نرائن ملا نے لکھنؤ کے روایات شاعری کا تذکرہ کیا اور فنون لطیفہ کی ترقی پر زور دیا جو انسانی محبت اور باہمی میل جول کی بقا و ترقی کا ذریعہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جذبات جو ان فنون لطیفہ بالخصوص شاعری کا سر چشمہ ہیں اگر ختم ہو گئے تو انسانی رشتوں اور نسل انسانی کی تباہی میں کچھ دیر نہ لگے گی۔

اس کے بعد شعراء نے کلام سنایا۔ (قومی آواز)

ریاستی انجمن ترقی اردو بہار کی اپیل پر
بہار کے اہم مقامات پر یوم اردو

مونگیر

مونگیر ٹاؤن ہال میں یوم اردو کا شاندار جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا شاہ منت اللہ صاحب کے ہوا۔ ٹاؤن ہال اردو دوستوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جلسے کا افتتاح جناب صدر کی تقریر سے ہوا۔ صدر موصوف نے اردو کا مقدمہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ عوام کے سامنے رکھا۔ آپ نے آخر میں کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ انجمن ترقی اردو بہار کے زیر قیادت اس کھلی ناانصافی کا مقابلہ بہار کی لسانی اقلیت اپنی اور جمہوری ڈھنگ سے کرے اور حکومت پارٹی سے اپنے عدم اعتماد کا کھلا اعلان کر دے۔

صدارتی تقریر کے بعد جناب شری نارائن لال (کانگریس) اور شری رام ریکھا (کمیونسٹ پارٹی) کے مقامی لیڈروں نے بھی تقریریں کیں اور اردو علاقائی زبان کی مانگ کو حق بجانب قرار دیا۔ ان کے علاوہ مونگیر سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری شری تریراری سرن ایڈوکیٹ (جموئی) نے اردو کی پرزور حمایت کرتے ہوئے یقین دلایا کہ اردو تحریک کے لیے اگر قربانی دینے کی ضرورت پیش آئے گی تو مجھ کو اور مونگیر ضلع سوشلسٹ پارٹی کو آپ اپنے دوش بدوش پائیں گے۔

آخر میں جناب زبیر اختر جعفری رکن مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو نے ایک پرزور تقریر کی۔ آخر میں ایک تجویز کے ذریعہ اردو کو بہار کی دوسری سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کو دہرایا گیا اور اردو کی لسانی اقلیت کی طرف سے حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا اعلان کیا گیا۔ جلسے کے اختتام پر جناب ہاشم صاحب ایڈوکیٹ نے مہمان خصوصی اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

ڈالٹن گنج

ڈالٹن گنج سے یوم اردو کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلسہ شری پورن چند کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں بڑی تعداد میں ہر مکتب خیال و فکر کے عوام اور نوجوانوں نے شرکت کی۔ جناب ام... دکھن نے یوم اردو کے سلسلے میں ایک تعارف پیش کیا اور جلسے کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو والوں نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اردو کو پروان چڑھانے میں ہندو، سکھ، پنجابی، ادیبوں اور شاعروں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ مسلمانوں کا ہے۔ اردو نے ہندوستان میں جنم لیا، یہیں وہ پلی اور پروان چڑھی۔ اردو زبان کو بہار کی دوسری سرکاری زبان بنانے کے پیچھے کوئی تخریبی تصور کا جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ ہمارا آئینی حق ہے جس کی ہم حکومت سے مانگ کر رہے ہیں۔

اس کے بعد صدر جلسہ شری پورن چند جی نے فرمایا کہ میں دل سے پیار کرتا ہوں کہ اردو کو اس کا دستوری حق ملے۔ کانگریسی حکومت اردو کے نام پر ہندو اور مسلمان کو پھر سے لڑانا چاہتی ہے کہ اردو صرف مسلمان کی زبان ہے میں کہتا ہوں یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور اردو کبھی اور کسی کے دور میں بھی مسلمانوں کی زبان نہیں رہی بلکہ یہ سبھی مذہب کی زبان ہے ہر مذہب کے لوگ اردو بولتے اور لکھتے پڑھتے آرہے ہیں۔ اس کو صرف مسلمان کی زبان کہنا جھوٹ نہیں ہے تو اور کیا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اردو زبان عام جنتا کی زبان ہے بہار، یوپی، مدھیہ پردیش، پنجاب میں زیادہ تر عوام اردو بولتے، سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ اس کے پڑھنے والوں میں ہندو بھی ہیں مسلم بھی ہیں سکھ بھی ہیں پنجابی بھی اور سندھی بھی ہیں۔ اس لیے اردو کو مسلمانوں کی زبان کہنا غلط اور بڑا ناانصافی ہے۔

علی نگر

علی نگر میں یوم اردو کا جلسہ زیر اہتمام جناب فیض امام صاحب مقیم علی نگر تھانہ ... میں منعقد ہوا۔ جناب سید عباس رضوی صاحب نے اردو تحریک کے ساتھ مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

چترا

چترا میں ۱۳ر نومبر ۱۹۶۶ء کو یہاں اردو والوں نے شرکت کی اور چترا کے بے شمار اردو دوستوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کو خطوط لکھے۔

کٹیہار

کٹیہار میں یوم اردو کا ایک عظیم اجتماع فخر الدین صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔

جناب زین الحق صاحب نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اچھی طرح جان گئی ہے کہ تاریخی اردو کانفرنس کشیدہ عوام کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے اور اردو دوستوں نے اپنی باتفاق رائے تجاویز کو پاس کر کے اپنی بیداری کا ثبوت دے دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب خطوط کے ذریعہ حکومت کو اپنے صحیح جذبات سے بھی آگاہ کر دینا ضروری ہے۔ لہٰذا کل ہی سارے لوگ پوسٹ کارڈ خرید کر خطوط روانہ کریں۔

جناب حسن جان خاں صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر قربانی کی ضرورت ہوگی تو ہم قربانی سے بھی باز نہیں رہیں گے۔ ہماری زبان ہماری تہذیب کسی دباؤ میں سے اور کسی کے دبانے سے دب سکتی ہے۔ یہ ہی ہے ترقی کرے گی اس کی حق تلفی ہوگی۔ جناب عبد الحمید خاں نے کہا کہ ہم متحد و منظم ہو کر اور ایک آواز ہو کر اپنی بیداری اور جدوجہد کا ثبوت دیں اور اردو دشمنوں کو دکھا دیں پھر دیکھیں کامیابی کس طرح ہمارے قدم چومتی ہے۔

جناب فخر الدین صاحب نے حاضرین کا یوم اردو کے جلسے کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں شکریہ ادا کیا۔

پٹنہ

پٹنہ میں مدرسہ ... اکبرپور زیر صدارت شری ... ہائی انگلش اسکول جلسہ یوم اردو منعقد ہوا جس میں سیکڑوں کی تعداد میں ہندو اور مسلمان شریک ہوئے اور صوبائی انجمن ترقی اردو کی شائع شدہ تجاویز متفقہ طور پر پاس ہوئیں۔ آخر میں جناب صدر نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا جس میں اردو زبان کی ہمہ گیری نیز آپس میں ہندو مسلمان کا فرق مٹانے کا بہترین ذریعہ اس کو بتایا۔

فاربس گنج (پورنیہ)

فاربس گنج میں ایک شاندار جلسہ یوم اردو کا منایا جس کی صدارت جناب پروفیسر محمد رضا برقی نے فرمائی اور جس میں کثیر تعداد میں محبان اردو نے شرکت فرما کر اپنی بیداری کا حسین ثبوت پیش کیا۔

دسنگم

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال میں جلسہ و مشاعرہ!

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کی جانب سے ایک جلسۂ عام سنیچر ۱۶ر نومبر کی شام کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال میں ہوا۔ جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی صاحب نے صدارت فرمائی اور جناب غلام محمد طاہر بحیثیت مہمان خصوصی شریک جلسہ ہوئے۔ جنرل سکریٹری جناب ایم اے مجید نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ گذشتہ سال مئی میں انجمن نے "اردو ہفتہ" منایا تھا جس کے بعد سے اردو کی تحریک کلکتہ اور مغربی بنگال کے دوسرے مقامات پر بہت زور و شور سے چل پڑی تھی۔ انجمن کی بہت سی شاخیں مختلف جگہوں پر قائم ہو گئی تھیں اور ممبر بھی ہزاروں کی تعداد میں بنے تھے۔ لیکن ستمبر میں بعض وجوہات کی بنا پر تحریک سست پڑ گئی پھر بھی انجمن گورنمنٹ اور کارپوریشن کے سامنے اردو کی تعلیمی و دیگر مشکلات پیش کرتی رہی اور ان میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ اشاعتی پروگرام کے سلسلے میں بھی انجمن نے اپنی جد و جہد جاری رکھی اور درسی و غیر درسی کتابوں کی اشاعت کی اور کر رہی ہے ۱۶ر نومبر سے ۳۰ر دسمبر تک جدید ممبر سازی کر رہی ہے اس سلسلے میں انھوں نے تمام اردو والوں سے تعاون کی اپیل کی ہے۔ اپنی رپورٹ میں انھوں نے مغربی بنگال اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں اردو کو پیش آنے والی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا۔ جناب صدر، جناب احمد اللہ انصاری اور جناب غلام قادر خاں نے بھی انجمن کو مستحکم اور مضبوط کرنے پر زور دیا۔ اس کے بعد بارہ تجاویز منظور کی گئیں جن میں اردو کو بہار، یو پی، دہلی، راجستھان، پنجاب، ہریانہ اور مدھیہ پردیش کی علاقائی اور ثانوی سرکاری زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ تھا۔

تجاویز میں کلکتہ کارپوریشن کے شعبۂ تعلیم کی اردو کی طرف سے غفلت اور دوسرے مقامات میں اردو طلبہ کی ابتدائی تعلیم کے مناسب انتظام کی جانب حکومت کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ نیز سکنڈری ایجوکیشن بورڈ پر زور ڈالا گیا ہے کہ نصاب تعلیم میں تبدیلی کر کے پہلے کی طرح غیر اردو داں طلبہ کے لیے اردو بحیثیت تیسری زبان پڑھنے کی سہولت مہیا کی جائے اور کلکتہ یونیورسٹی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جس طرح ہائر سکنڈری امتحانات کے لیے جوابات اردو میں لکھنے کی اجازت ہے، اسی طرح پری یونیورسٹی امتحانات میں بھی اردو میں جوابات لکھنے کی اجازت دی جائے۔ اس لیے کہ دونوں امتحانات مساوی درجہ کے ہیں۔ اور یونیورسٹی میں اردو کا ایک علیحدہ شعبہ کھولنے پر زور دیا گیا۔

ان تجاویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اردو والوں کے جو مطالبات اور مشکلات ہیں وہ مختلف سیاسی پارٹیوں، الکشن کے امیدواروں اور دیگر حق و انصاف پسند شہریوں کے سامنے پیش کیے جائیں۔

(ڈپٹی سکریٹری۔ علقمہ شبلی)

اردو کے مسئلہ پر مظفرپور مومن کانفرنس کی تجویز

مظفرپور ضلع مومن کانفرنس کے جلسے میں حکومت سے پر زور مطالبہ کیا گیا کہ زبان اردو کو علاقائی زبان جلد سے جلد قرار دیا جائے نیز سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں اور کچہریوں اور رجسٹری آفس میں اردو رسم الخط میں بھی درخواستیں اور دستاویزات قبول و منظور کیے جانے کا حکم صادر کیا جائے اور یہ جلسہ یہ بھی تجویز کرتا ہے کہ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیم گاہوں میں اردو کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام جلد سے جلد کرائے۔ نیز یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ "ملازمین" کی بحالی کے لیے مقابلہ کے امتحانات میں اردو داں امیدواروں کو انگریزی یا اردو میں جوابات لکھنے کی اجازت دی جائے اور ہندی کی صلاحیت کے امتحانوں میں اردو داں ملازمین کے ساتھ خاص رعایت برتی جائے۔ (امروز ہند)

انجمن ترقی اردو جبلپور کا مطالبہ

مدھیہ پردیش بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن ایک عرصہ دراز سے اپنے چار منظور کردہ ذرائع تعلیم کے مطابق انگریزی، ہندی، اردو اور مراٹھی زبانوں میں طلبہ کو امتحانی پرچے مہیا کرتا تھا لیکن اب اس نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ امتحانی پرچے صرف انگریزی اور ہندی میں ہی دئے جاویں گے اردو اور مراٹھی میں نہیں۔

پرانے مدھیہ پردیش کا بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن اپنے قیام کے وقت سے لے کر آخر تک اس اصول پر کاربند رہا کہ جس بچے کا ذریعہ تعلیم جو زبان ہو اسی زبان میں اسے امتحانی پرچے بھی دئے جاویں۔

نئے مدھیہ پردیش کے بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن نے بھی اپنے علاقہ میں چار زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دیا ہے اور وہ چار یہ ہیں۔ انگریزی، ہندی، اردو، مراٹھی اور اس بورڈ نے بھی ۱۹۵۸ء تک جو امتحان لیے ہیں ان میں ان چاروں زبانوں میں پرچے طلبہ کو دیے گئے لیکن اب اس نے نیا فیصلہ کیا ہے کہ ۱۹۵۹ء سے صرف انگریزی، ہندی ان دو ہی زبانوں میں امتحانی پرچے دئے جاویں گے۔

بورڈ کے اس فیصلے سے اردو میڈیم سے پڑھنے والے بچوں کے سامنے ایک بڑی دشواری آگئی ہے کیونکہ وہ انگریزی اور ہندی میں دئے گئے امتحانی پرچوں کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھ سکیں گے کیونکہ اردو اور ہندی لفظوں میں کافی فرق ہے مثلاً ہندی پرچے میں ہوگا "سنگرت کرو۔ بھوگول لکھو۔" لڑکوں نے سنگرت اور بھوگول لفظ پڑھا ہی نہیں۔ انھوں نے تو لفظ حساب اور جغرافیہ پڑھا ہے اس طرح بڑی پریشانی ہوگی۔ تعلیمی اعتبار سے بھی یہ غلط ہے کہ بچے تعلیم کسی زبان میں حاصل کریں اور امتحانی پرچے کسی زبان میں آئیں۔ بورڈ کا یہ فیصلہ صرف تعلیمی اصول سے ہی نہیں بلکہ قانونی حیثیت سے بھی غلط ہے۔ اس لیے انجمن ترقی اردو جبلپور بورڈ کے اس فیصلہ پر سخت افسوس اور احتجاج کرتے ہوئے حکومت سے مانگ کرتی ہے کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے سابق صورت حال کو بحال کرے تاکہ پڑھنے والے بچوں کی تعلیم میں مشکلات نہ پیدا ہوں۔

(سکریٹری، انجمن ترقی اردو جبلپور)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا